ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
شعبہ علوم اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

الاختیار

اسلام کے سیاسی نظام کی ایک فراموش کردہ اصلاح پر ایک نظر

(۲)

دعوت الی الخیر والی آیت سے قبل اعتصام بحبل اللہ والی آیت ہے جس میں امت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اندر مکمل وحدت کو برقرار رکھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ یہاں اس آیت میں جس انداز سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دعوت الی الخیر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے خلافت کا قیام ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ امت مسلمہ کی فلاح وسعادت ان امور کی انجام دہی میں ہے اس لیے کہ امت کی بعثت ہی اس مقصد کے لیے ہوئی ہے۔ اور یہ خیر امہ کے منصب پر اسی وقت فائز ہوتی ہے جب ان امور کی انجام دہی کے لیے اٹھ کھڑی ہو ان تینوں امور کو انجام دینے کے لیے جس اجتماعیت، نظم وضبط، استطاعت وصلاحیت اور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لیے خلافت کا ادارہ ضروری ہے

خیر کے معنی جب اچھے انسان کے لیے جائیں یا وہ انسان جس کی ذات میں خیر کا غلبہ ہو تو اس کی جمع اخیار آتی ہے۔ اخیار بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے سورہ ص میں قرآن حکیم نے بعض اولوالعزم انبیاء مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْأَخْيَارِ (ص ۳۸-۴۷)

اور یہ سب ہمارے نزدیک منتخب اور پسندیدہ (اخیار) لوگوں میں سے تھے۔

پھر اس سے اگلی آیت مبارکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت الیسع علیہ السلام کا تذکرہ ہے اور انہیں بھی اخیار کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے

وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ (ص ۳۸-۴۸) یہ سب ہی اخیار تھے۔

قرآن حکیم نے متعدد جگہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ذکر کیا ہے اور دعوت دین کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور ان پر انبیاء کے صبر واستقامت وغیرہ کو بیان کیا ہے یہ سب انبیاء علیہم السلام

کے وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے وہ اخیار کہلائے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جن میں انبیاء علیہم السلام کی صفات اور عمل کی جھلک نظر آئے وہ بھی اخیار کہلائیں گے۔ اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب خیر کسی فرد کی زندگی کا حصہ بن جاتا ہے تو وہ اخیار کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس نے خیر کو پہلے اپنی ذات میں اجاگر کیا اور پھر اس خیر کو معاشرہ میں قائم کرنے کے لیے سنت انبیاء کی پیروی کی۔ اور اس کے لیے مستعد ہوگیا۔ دعوۃ الی الخیر کے مشن میں شامل ہونے والے افراد بھی اخیار میں شمار ہوتے ہیں۔

خیرات بھی خیر سے مشتق ہے اور قرآن حکیم میں کوئی دس جگہ آیا ہے۔ یہ خیرہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اچھا عمل، نیکی، خوبی وغیرہ۔ خیرات زمین سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی کہا جاتا ہے۔ سورہ البقرہ میں قرآن حکیم قبلہ یا جہت کا ذکر کرتا ہے۔ جس کی طرف لوگ عبادت کی حالت میں متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اہل ایمان کو خطاب کرکے کہتا ہے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (البقرہ ۲-۱۴۸)

اچھائی کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔

لایعنی بحثوں میں الجھنے کی بجائے خیر کے کاموں میں مسابقت کا جذبہ ہونا چاہیئے قرآن حکیم اس جذبہ کو ابھارنا چاہتا ہے۔

سورہ المائدہ میں کتاب اللہ پر عمل، شعائر اسلام کا احترام، خواہشات نفسانی سے اجتناب، اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری الرسول علیہ السلام کی سمع و طاعت ہر حالت میں عدل، وانصاف کا قیام، انفاق فی سبیل اللہ، حدود اللہ کا نفاذ اور اخلاق و سنجیدگی کے ساتھ اتباع کا حکم ہے ساتھ ہی اس بات پر بھی متنبہ کر دیا گیا کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آزمائشیں بھی رکھی ہیں لہٰذا انسان کو عقل و فہم سے کام لینا چاہیئے اور خیرات کی جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں مسابقت کا جذبہ ہونا چاہیئے۔

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ (المائدہ ۵-۴۸) اچھے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔

یہاں دو باتیں اہم ہیں ایک یہ کہ خیرات کا لوگوں میں احساس و شعور ہونا چاہیئے، دوسرے تمام اچھے کاموں کے لیے جذبہ مسابقت ہونا چاہیئے۔ یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خیرات کے لیے جدوجہد اور مسابقت اجتماعی طور پر ہونی چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی اجتماعی مساعی اور قیام خیر کے لیے جدوجہد کو قرآن کریم نے سراہا ہے۔

لکن الرّسولُ والّذین آمنوا معہٗ جاھدوا باموالھم وانفسھم واُولٰئک ھُمُ الخیرات واولٰئک ھم المفلحون (التوبہ ۹، ۸۸)

لیکن اللہ کے رسولؐ اور ان کے ساتھ جو لوگ ایمان لائے سب اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد میں مصروف ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے رحمتیں اور برکتیں ہیں اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔

سورہ آل عمران میں اہل کتاب کے ان افراد کا تذکرہ ہے جو اپنے عہد پر قائم تھے، جن کے دلوں میں ایمان کی حرارت تھی اور جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کر کے دعوت الی الخیر کے مشن میں شرکت کی۔ دیکھئے قرآن حکیم نے ان کی اعلیٰ صفات کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

من اھل الکتاب امّۃٌ قائمۃٌ یتلون اٰیٰت اللہ اٰناء الیل وھم یسجدون یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولٰئک من الصّٰلحین (آل عمران ۳، ۱۱۳، ۱۱۴)

"اہل کتاب میں ایک گروہ اپنے عہد پر قائم ہے یہ راتوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لوگوں کو معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں، ایسے لوگ ہی تو نیکوکار ہیں۔"

ان تینوں سورتوں المائدہ، التوبہ اور آل عمران کی آیات میں اجتماعی نظم، جدوجہد اور مسابقت الی الخیر کا ذکر ہے۔ اس اجتماعی مسابقت اور قیام خیر کے لیے مساعی کو منظم اور مربوط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس مقصد کے لیے عہد صحابہ کرام میں خلافت کا ادارہ وجود میں آیا، پھر خلافت کے ادارہ کو ان برائیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے جو سیاست و اقتدار میں پیدا ہو سکتی ہیں اور اسے بامقصد بنانے اور تعمیری کاموں میں منہمک رکھنے کے لیے اختیار اور شوریٰ کے ادارے وجود میں آئے۔

یہاں سورہ المومنون کی ان آیات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جن میں ان حضرات کی بعض نمایاں صفات کا ذکر ہے جو مسابقت الی الخیر کے عمل میں شریک رہے ہیں۔

اِنَّ الّذین ھُم من خشیۃ ربّھم مشفقون والّذین ھُم باٰیٰت ربّھم یؤمنون والّذین ھُم بربّھم لا یشرکون والّذین یؤتون ما اٰتوا وّقلوبھم وجلۃٌ انّھم الٰی ربّھم راجعون، اُولٰئک یسارعون فی الخیرات وھُم لھا سابقون۔

(المؤمنون ۲۳، ۵۷، ۶۱)

"یقیناً وہ لوگ جو خشیت الٰہی سے ترساں رہتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے اور وہ لوگ جو دیتے ہیں تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرے ہوئے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جاتے ہیں، اور وہ ان کو پا کے رہیں گے۔ (یعنی اپنی نیکیوں کے ثمرات کو حاصل کریں گے اور اپنی منزل مقصود کو پالیں گے) [1]

سورہ الانبیاء میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے اور دین کے قیام اور دعوت الی الخیر میں ان کی مساعی کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت دین سے آغاز ہوتا ہے اور حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت لوط، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسماعیل، حضرت ادریس، حضرت ذوالنون، حضرت زکریا، اور حضرت یحیی علیہم السلام کی دعوت کا ذکر ہے۔

پھر قرآن حکیم ان کے بارے میں کہتا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا (الانبیاء ۲۱:۹۰)

"بے شک یہ لوگ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والے اور (امید و بیم) رغبت و خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہمیں پکارنے والے تھے۔"

ان آیات میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے مشن میں پورے اخلاص کے ساتھ مصروف رہے اور خیرات یا بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہے لہذا یہ مسابقت اور مسارعت بھی انبیاء علیہم السلام کے مشن کا حصہ ہے۔

اب ہم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایک مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ یوں تو احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جس میں خیر اور اس کے مشتقات کا استعمال انہی معنی میں ہوا ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف دو احادیث بیان کر رہے ہیں اور ان کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ان کا تعلق نظام مملکت و حکومت سے ہے اس طرح ان کا تعلق اختیار سے بھی ہے جس پر ہم اس مقالہ میں بحث کر رہے ہیں۔ پہلی حدیث یہ ہے۔

---

[1] یہاں اسی سورت کی ابتدائی دس آیات کا بھی مطالعہ کیجیے۔ وہاں بھی کامیاب اہل ایمان کی نمایاں صفات کا ذکر ہے۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم و یحبونکم وتصلون علیھم و یصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم وتلعنونھم و یلعنونکم۔

تمھارے بہترین قائد وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں وہ تمھارے لیے دعائے خیر کرتے ہوں اور تم ان کے لیے دعائیں کرتے ہو، اور بدترین لیڈر وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں تم ان پر لعنت و ملامت کرو اور وہ تم پر لعنت و ملامت کریں۔ [1]

اس حدیث مبارکہ میں اچھی قیادت اور عوام کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کو بتایا گیا ہے کہ اچھی قیادت وہ ہے جس کے لیے عوام الناس کے دلوں میں محبت و احترام کے جذبات ہوں اور جس کے لیے سمع و طاعت صرف ظاہری طور پر نہ ہو بلکہ صحیح معنی میں اخلاص کے ساتھ ہو کہ تنہائیوں میں بھی لوگ جب اپنے معبود کے سامنے سربسجود ہوں اور بارگاہ رب العالمین میں جب اپنے لیے دعائیں کریں تو اپنے قائدین کے لیے بھی دعائیں کریں۔ یہ تعلق یک طرفہ نہ ہو۔ بلکہ قائدین کے دلوں میں بھی عوام کی محبت اور خلوص پوری طرح موجود ہو۔ وہ بھی اسی طرح اپنے عوام کے لیے اپنی رب کے حضور دعائیں کیا کریں یہی تعلق اسلامی معاشرہ میں مطلوب ہے۔ لہٰذا اس قسم کی قیادت بھی ابھرنی چاہیے۔ اس حدیث میں بری قیادت کی بھی نشاندہی کردی گئی ہے تاکہ اس سے بچنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اس لیے کہ اگر معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ عوام اور ان کی قیادت آپس میں نفرت کرنے لگیں اور ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کا نشانہ بنائیں تو یہ معنی اور غیر تعمیری رجحانات کی علامت ہے جو زوال پذیر معاشرہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

دوسری حدیث یہ ہے۔

اذا کانت امرائکم خیارکم و اغنیائکم سمحائکم و امرکم شوری بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا، واذا کانت امرائکم شرارکم و اغنیائکم بخلائکم وامورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔ [2]

جب تمھاری قیادت بہترین لوگوں پر مشتمل ہو، تمھارے مال دار سخی ہوں اور تمھارے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوں تو پھر سطح زمین پر تمھارے لیے خیر ہے بہ نسبت زمین کے پیٹ کے۔ سطح زمین زیادہ

---

[1] مسلم، الجامع الصحیح (نور محمد، کراچی، ۱۹۵۶) ج ۲ ص ۱۲۹، ترمذی، السنن ج ۲ ص ۵۱، الدارمی، السنن (دار المحاسن، قاہرہ، ۱۹۶۶) ج ۳ ص ۲۳۲

[2] الترمذی، السنن (رشیدیہ، دہلی، تاریخ ندارد) [illegible] ص ۵۱۔

بہتر ہے زمین کے بطن سے) اور اگر تمہارے قائدین بدترین لوگ ہوں تمہارے دولت مند بخیل ہوں ا
تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر زمین کا پیٹ تمہارے لیے سطح زمین سے بہتر ہے"

مندرجہ بالا دونوں احادیث کے مطالعہ سے ایک ایسے نظم مملکت اور قیادت کا تصور ا
ہے جس میں بظاہر خیر کا غلبہ ہو اور ایسے معاشرہ کا تصور نمایاں ہوتا ہے جو متحرک و جاندار ہو جس میں
و اخلاقی اقدار مستحکم ہوں اور جہاں معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام کے لیے جہاد جاری ہو۔"

ہماری اس بحث سے خیر کا مفہوم بہت حد تک واضح ہوگیا ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعہ سے
پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ بہت جامع ہے اور ہر شعبہ زندگی میں پائی جانے والی اچھائی کو محیط ہے، عقا
اعمال، اخلاق اور اجتماعی زندگی کے تمام امور اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔ اس بحث سے الاختیا
مفہوم بھی واضح ہوجاتا ہے۔ الاختیار اسلام کے سیاسی نظام میں صرف چناؤ کا نام نہیں بلکہ یہ وہ
(PROCESS) ہے جس کے ذریعہ ایسی قیادت وجود میں آتی ہے جو خیر کو معاشرہ میں پروان چڑھا
ہے اور شر کو مٹاتی ہے۔ جو معروف کے قیام اور منکر کی روک تھام کے لیے جد و جہد کرتی ہے۔
ہر کسی و ناکس کا چناؤ نہیں ہے، بلکہ ایسے فرد یا افراد کا انتخاب ہے جن کے عمل و کردار میں خیر غا
ہو اور جو خیر کو قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ الاختیار با ص
اور باکردار قیادت کی تلاش و جستجو کا نام ہے۔ وہ انتخاب جس کے نتیجہ میں اچھی قیادت، سلطنت
اور جس کے نتیجہ میں قیام خیر کا عمل شروع نہ ہو تو وہ الاختیار نہیں۔ الاختیار صرف وہ ہے جس
نتیجہ میں اچھائی قائم ہو اور برکات و رحمتوں کا ظہور ہو یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب ہم
ملی مقاصد کا صحیح صحیح تعین کریں اور پھر اپنے انتخاب کے ادارہ کی تشکیل نو کریں۔ اس طرح
کو حصول خیر کا ذریعہ بنا سکیں گے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اہل علم اور دانش ور طبقہ اس ا
تشکیل نو کے بارے میں غور و فکر کرے اور ایسی تجاویز پیش کرے جو قابل عمل بھی ہوں اور ملک
کے لیے مفید بھی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں یقیناً ہم اپنے اجتماعی و سیاسی اداروں کی تشکی
سکتے ہیں۔

دفاع امام ابو حنیفہؒ

تصنیف، مولانا عبدالقیوم حقانی

صفحات ۳۶۰، قیمت مجلد / ۷۵ روپے

جس میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی سیرت و سوانح، علمی و تحقیقی کارنامے، تدو
قانونی کونسل کی سرگرمیاں، دلچسپ مناظرے، حجیت اجماع و قیاس
کے جوابات، دلچسپ واقعات، نظریہ انقلاب و سیاست، فقہ حنفی کی
جامعیت، تقلید و اجتہاد کے علاوہ قدیم و جدید اہم موضوعات پر بھر حاصل